حضور اکرم ﷺ کا سفرِ ہجرت (ربیع الاوّل ایک ہجری/ستمبر ۶۲۲ء)

نبی اکرم ﷺ کو اللہ کی طرف سے ابھی تک ہجرت کا حکم نہیں ملا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے اشارے پر رکے ہوئے تھے، ان کی یہی تمنا تھی کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کی معیت نصیب ہو جائے۔ انہوں نے سفر کے لیے دو اونٹنیاں لے لیں اور چار ماہ تک انہیں ببول کے پتے کھلا کر پالتے رہے۔ ①

صحابہ مکہ سے روانہ ہوتے رہے۔ عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبیداللہ، زید بن خطاب، حمزہ بن عبدالمُطّلِب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم سمیت رفتہ رفتہ سبھی ہجرت کر گئے۔ صرف چند ایسے بے کس مسلمان پیچھے رہ گئے جو کفار کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے اور ہجرت سے بالکل عاجز تھے۔ ②

حجاز کے دیگر علاقوں میں بعض صحابہ ایسے تھے جن کے پاس محفوظ پناہ گاہیں تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں شرفِ میزبانی بخشیں۔ ان میں یمنی قبیلے دوس کے ایک سرفروش طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے مضبوط قلعے میں تشریف لانے کی درخواست کی مگر یہ شرف اللہ نے انصار کے نصیب میں رکھا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول نہ کی۔ ③

قاتلانہ حملے کی سازش:

قریش کو مسلمانوں کی ہجرت سے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ وہ ایک مرکز بنانے کے بعد مکہ کے لیے خطرہ بن جائیں گے، چنانچہ عمائدِ مکہ نے "دارالندوہ" میں مجلسِ مشاورت منعقد کی تاکہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں ایسا آخری اور قطعی فیصلہ کیا جائے کہ یہ نیا دین مزید پھیلنے نہ پائے۔ مجلس میں ہر خاندان کے رئیس مثلاً: اُمَیَّہ بن خَلَف، ابوسفیان، ابوجہل، نَضر بن حارث وغیرہ موجود تھے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حضور ﷺ کو قید کر دیا جائے۔ کسی نے کہا کہ جلاوطن کر دینا کافی ہے۔

---

① صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، کتاب المناقب، باب هجرة النبی ﷺ

فوائد: ❶ بیعتِ عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی ذوالحجہ میں ہوئی۔ ۱۳ نبوی میں ہجرت کا حکم نازل ہوا تھا اور صحابہ کی ہجرت شروع ہوئی اور انہی ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگنا شروع کی اور دو اونٹنیاں خرید لیں۔ "وعلف راحلتین کانتا عندہ ورق السمر وھو الخبط اربعة اشھر." (صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵)

❷ سواری کے لیے ببول کے پتوں جیسی عمدہ غذا کے اہتمام کی وجہ یہ تھی کہ ہجرت کے سفر میں تعاقب کا خطرہ تھا۔ اونٹ صحت مند ہو اور کوہان میں خوب غذا جمع کر چکا ہو تو تیزی سے بلا تکان طویل سفر کر سکتا تھا۔ اونٹ کی جگہ اونٹنی لینے میں ممکن ہے یہ حکمت ملحوظ ہو کہ صحرا میں غذا نہ ملے تو اونٹنی کا دودھ میسر آ سکے گا۔

❸ یہ اونٹنیاں اعلیٰ نسل کی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو آٹھ سو درہم (موجودہ ۲ ہزار ڈالر یا ۲ لاکھ روپے) میں خریدا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۲۲۸/۱) انہی میں سے ایک اونٹنی قصواء آخر تک رسول اللہ ﷺ کی بہترین سواری رہی۔ اسی کا نام جدعاء اور عضباء بھی تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۴۹۲/۱)

② صحیح البخاری، ح: ۴۹۴۱ ؛ البدایة والنهایة: ۴/ ۴۲۰ تا ۴۳۷ ③ صحیح مسلم، ح: ۳۲۶، کتاب الایمان

ابوجہل کی رائے یہ تھی کہ قتل کر دیا جائے۔ اہلِ مجلس نے اسی کو ترجیح دی مگر مسئلہ یہ تھا کہ قبائل کی معاشرت میں ہر فرد کی جان پورے قبیلے کی امانت تصور کی جاتی تھی۔ خدشہ تھا کہ اس صورت میں بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کی تمام شاخیں یک جا ہو کر بدلہ لینے پر اتر آئیں گی اور مکہ میں خانہ جنگی چھڑ جائے گی۔ آخر طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہر خاندان کا ایک ایک فرد چن لیا جائے اور ان کی جمعیت آج رات بیتِ نبوی کا محاصرہ کرے اور مشترکہ طور پر قاتلانہ حملہ کرے۔ ①

ہجرت کا حکم۔ رسول اللہ ﷺ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر پر:

اسی دن حضور ﷺ کو اللہ کی طرف سے فی الفور ہجرت کا حکم مل گیا۔ ② قریش کے کئی لوگوں نے اس قدر دشمنی کے باوجود اپنی قیمتی امانتیں حضور ﷺ کے پاس رکھوانے کا معمول ترک نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں کہ ان کے مالکوں کو پہنچا کر بعد میں وہ بھی یثرب آجائیں۔ ③

اب حضور ﷺ اپنے اس گھر سے جدا ہوئے جس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ نے زندگی کے اٹھائیس برس گزارے تھے۔ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہ صرف یہ گھر بلکہ یہ مقدس شہر بھی چھوڑے جا رہے تھے۔ آپ اپنی اہلیہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دونوں چھوٹی بیٹیوں: حضرت اُمّ کلثوم، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہیں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا بھی مکہ میں اپنے شوہر ابو العاص کے گھر میں تھیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

حضور ﷺ اپنی روانگی کے بارے میں انتہائی راز داری برتتے رہے۔ جب آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا تو اس دن صبح تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی علم نہ تھا کہ روانگی آج ہے۔ حضور ﷺ دوپہر کی شدید گرمی میں سر پر رومال اوڑھے گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے۔ انہیں بتایا کہ اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آگیا ہے۔ وہ بولے: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کا ساتھ نصیب ہو؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ساتھ ہو۔'' ④

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشکر اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے رو پڑے ⑤ اور عرض کیا:

''میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیجیے۔'' آپ نے فرمایا: ''ہاں مگر قیمت دے کر۔'' ⑥

حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے نہایت عجلت کے عالم میں سفر کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کیا مگر خوراک کے تھیلے اور پانی کی مشک کا منہ بند کرنے کے لیے رسّی نہ ملی۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے والدِ محترم سے کہا: ''باندھنے کے لیے نطاق (کمر باندھنے کے دوپٹے) کے سوا کچھ نہیں۔'' والد نے فرمایا: ''اسی کو پھاڑ کر ایک سے تھیلے اور ایک سے مشک کا منہ باندھ دو۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی لیے انہیں ''ذات النطاقین'' (دُہرے نطاق والی) کہا جانے لگا۔ ⑦

---

① سورۃ الانفال، آیت: ۳۰ ؛ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۸۰ تا ۴۸۲

② ''قد اُذِن لی فی الخروج.'' (صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵) ③ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۸۵

④ صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵ ⑤ سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۸۵

⑥ صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵ ⑦ صحیح البخاری، ح: ۲۹۷۹، کتاب الجہاد، باب حمل الزاد فی الغزو

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں: حضرت اسماء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور بوڑھے نابینا باپ ابوقحافہ کو اللہ کے سہارے چھوڑے جارہے تھے۔ انہوں نے گھر میں موجود ساری رقم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے ساتھ لے لی[1] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر عقبی دروازے سے نکل گئے۔[2]

حضرت ابوقحافہ کو ان کے نکلنے کے بعد شک ہوا تو اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

"مجھے لگتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمہیں تکلیف میں ڈال دیا کہ جاتے ہوئے ساری رقم ساتھ لے لی۔"

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے فرمایا: "نہیں وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔"

پھر اس طاق میں جہاں رقم رکھی جاتی تھی، کچھ چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور نابینا دادا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر پھیر دیا۔ انہیں تسلی ہوگئی اور بولے: "چلو اگر وہ اتنا کچھ چھوڑ گئے ہیں تو اچھا کیا۔ تمہارا گزارا ہو جائے گا۔"[3]

سفرِ ہجرت کی حکمتِ عملی:

چونکہ یثرب تک سیدھا جانے میں پورا خطرہ تھا کہ قریش تعاقب کر کے پکڑ لیتے اس لیے بہت سوچ سمجھ کر نکلنے کی تدبیر کی گئی، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ اور آزاد کردہ غلام عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہما کو شریک کرلیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ انہیں بے خبر رکھا گیا۔ طے یہ ہوا کہ دونوں حضرات مکّہ کے باہر غارِ ثَور میں چھپ جائیں گے، تین راتیں وہاں چھپ کر گزاریں گے۔ اس دوران اہلِ مکّہ کی خبریں لانے کا کام عبداللہ بن ابی بکر کریں گے، تیسرے دن جبکہ قریش تھک ہار کر بیٹھ چکے ہوں گے، اونٹنیوں پر سوار ہو کر ایک غیر معروف راستے سے منزلِ مقصود کا سفر کیا جائے گا۔ غیر معروف راستے میں بھٹکنے سے حفاظت کے لیے عبداللہ بن اُرَیقط نامی ایک پیشہ ور راہ نما کو اجرت پر ساتھ لینا بھی طے تھا جو مشرک ہونے کے باوجود پیشہ ورانہ رازداری میں پکا تھا۔[4]

اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر مکّہ سے نکلے، ایک ٹیلے پر چڑھ کر آپ نے اس مقدس شہر کو مخاطب کر کے کہا: "اے مکہ! اللہ کی قسم! تو زمین کا بہترین شہر اور اللہ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر

---

① مسند احمد، ح: ۲۶۹۵۷ ؛ صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، ۳۹۰۷، کتاب المناقب ؛ صحیح ابن حبان، ح: ۶۲۷۷

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوپہر کو نکلنے میں حکمت یہ تھی کہ قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا دھڑکا لگا ہوا تھا مگر انہیں یقین تھا کہ روانگی رات کو ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی توقع کے برخلاف دوپہر کو ایسے وقت میں نکلے کہ لوگ عادتاً اس وقت آرام کرتے تھے۔ یہ روانگی مدنی ربیع الاول، (مکی محرم) مطابق ماہِ ستمبر یعنی گرم موسم" میں ہوئی تھی۔ مگر بعض حضرات نے ابنِ اسحاق کی اس روایت کو لے کر جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چادر اوڑھ کر صحن میں بسترِ نبوی پر لیٹنے کا ذکر ہے، اسے "مکی ربیع الاوّل (مدنی جمادی الاولیٰ) مطابق نومبر" قرار دیا ہے حالانکہ نومبر کی سردی میں کوئی صحن میں نہیں لیٹتا۔ البتہ اواخر ستمبر میں موسم ایسا ہوتا ہے کہ رات کو صحن میں آرام کیا جاسکتا ہے اور ایسے معتدل درجہ حرارت میں چادر اوڑھنا بھی کوئی عجیب بات نہیں۔ اس لیے بلاشبہ یہ ستمبر ہی کا مہینہ تھا۔ (دوبارہ دیکھنا ہے

② سیرة ابن هشام: ۱/۴۸۵

③ مسند احمد، ح: ۲۶۹۵۷

④ یہ ترتیب صحیح روایات ہی سے مستفاد ہے یعنی صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؛ صحیح ابن حبان، ح: ۶۲۷۷

مجھے نکالا نہ جاتا تو میں تجھ سے ہرگز نہ نکلتا۔''① یہ واقعہ جمعہ ۲۸ صفر (مدنی) یکم ہجری (۱۰ ستمبر ۶۲۲ء) کا ہے۔②

قریش کا یہ خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو ہجرت کریں گے۔ انہوں نے اسی شب بیتِ نبوی کا محاصرہ کرلیا۔ اس دوران حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ بیتِ نبوی کے صحن میں بسترِ نبوی پر چادرِ نبوی اوڑھ کر لیٹے رہے۔③ قریش دھوکے کا شکار ہوگئے۔ ان کے ہاں رشتہ داروں کو گھروں میں گھس کر مارنا عار کی بات تھی، لہٰذا احاطہ کی دیواریں چھوٹی ہونے کے باوجود وہ باہر کھڑے رہے۔ صبح حقیقت معلوم ہوئی تو وہ ششدر رہ گئے۔④

ابوجہل سیدھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جا پہنچا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے ایسا زور کا طمانچہ مارا کہ کان کی بالی تک ٹوٹ گئی۔ مگر اس اللہ کی بندی نے زبان نہ کھولی۔⑤

غارِ ثور میں روپوشی اور قریش کی بھاگ دوڑ:

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے غارِ ثور پہنچے اور اونٹنیاں عبداللہ بن اُرَیقط کے حوالے کردیں۔⑥ اس سے طے کرلیا گیا تھا کہ تیسری شب وہ سواریاں غار کے پاس لے آئے گا۔ طے شدہ ترتیب کے مطابق اس دوران عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو نہایت چالاک لڑکے تھے، شام کو اہلِ مکّہ کی بھاگ دوڑ اور مشوروں کی خبریں غار تک

---

① سنن الترمذی، ابواب المناقب باب فی فضل مکۃ

② خرج منها فی صفر وقدم المدينة فی شهر ربيع الاوّل. (طبقات ابن سعد: ۲۲۴/۱)
دیگر روایات میں ہجرت کا دن پیر اور مہینہ ربیع الاوّل متعین ہے۔ تطبیق کی صورت یہی ہے کہ اواخرِ صفر میں گھر سے غارِ ثور تک گئے، وہاں تین شب روپوشی کے بعد آغازِ ربیع الاوّل میں پیر کے روز مدینہ روانگی ہوئی۔ اس صورت میں غار میں روپوشی کا دن جمعہ ۲۷ صفر بنتا ہے۔

③ سیرۃ ابن هشام: ۴۸۳/۱

فائدہ (۱): ابن اسحاق کی یہ روایت ضعیف ہے۔ اصولاً ایسی روایت اس شرط کے ساتھ قابلِ قبول ہوتی ہے کہ وہ صحیح روایت کے منافی نہ ہو۔ ابنِ اسحاق کی اس روایت میں مذکور بعض باتیں قابلِ قبول ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آج شب آپ ﷺ اپنے بستر پر نہ رہیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ عین ممکن ہے کہ یہ ہدایت صبح ہی کردی گئی ہو۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بسترِ نبوی پر لیٹنے میں بھی کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کو نکلتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے گئے ہوں۔ مگر ایک بات کو قبول کرنا مشکل ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ مشرکین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے رات کو گھر سے نکلے۔ علامہ شبلی نعمانی نے دونوں روایات کو اس طرح ملایا ہے کہ حضور ﷺ دوپہر کو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر ہجرت کی تیاری کا حکم دینے گئے تھے۔ بیتِ نبوی سے ہجرت اس کے ایک دو دن بعد رات کو ہوئی تھی۔ مگر صحیح بخاری کی روایت میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر اس قدر عجلت کا عالم دکھائی دیتا ہے کہ کھانے کے تھیلے اور مشک کا منہ باندھنے کے لیے رسّی تلاش کرنے کا بھی وقت نہیں تھا بلکہ پہنا ہوا کپڑا اپھاڑ کر اسے باندھا جارہا تھا۔ یہ ماحول مذکورہ توجیہ کا ساتھ نہیں دیتا۔

فائدہ (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ وہی چادر اوڑھ کر لیٹے تھے جو رسول اللہ ﷺ سوتے وقت اوڑھتے تھے۔ روایت میں ہے: ''فبات فيه علیّ وتغشّى برداً احمر حضرميا كان رسول الله ﷺ ينام فيه.'' جو حضرات ہجرت کو سرما میں قرار دیتے ہیں وہ اپنے دعوے کو مؤکد کرنے کے لیے اس چادر کو ''اونی چادر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے چادر کا ''اونی'' ہونا ثابت ہوسکے۔

④ سبل الهدىٰ والرشاد: ۲۳۴/۳

⑤ سیرۃ ابن هشام: ۴۸۷/۱...... ایک ضعیف روایت کے مطابق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کو غارِ ثور میں کھانا بھی لے جاتی رہیں۔ (البداية والنهاية: ۴۲۷/۴)

⑥ بخاری اور ابن حبان کی ان صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رات کے وقت گھر سے روانگی کی روایات درست نہیں ہیں، ویسے بھی وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں۔ اسی طرح پیدل غارِ ثور تک جانے کی بات بھی درست نہیں؛ کیوں کہ ابن حبان کی مذکورہ صحیح روایت میں صراحت ہے: ''فركبا حتىٰ اتيا الغار.'' ہاں ایک ضعیف روایت میں ہے کہ پہاڑ کے دشوار راستے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آقائے نامدار ﷺ کو کاندھوں پر اٹھالیا تھا۔ (البداية و النهاية: ۴۵۰/۴)
پس قرینِ قیاس یہ ہے کہ جبلِ ثور میں جہاں تک ممکن تھا، یہ حضرات سواریوں پر پہنچے۔ اس کے بعد مشکل راستہ پیدل طے کیا گیا۔ صحیح بخاری کی روایت سے غالباً اسی طرف اشارہ ہوتا ہے: فركبا فانطلقا حتىٰ اتيا الغار. (صحيح البخاری، ح: ۴۰۹۳)

لاتے اور رات غار ہی میں گزارتے۔ عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ سارا دن بکریاں چراتے اور عشاء کے بعد غار میں آکر بکریوں کا دودھ پیش کرتے۔ (1) قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شہر میں نہ پاکر ہر راستے پر آپ کی تلاش شروع کردی تھی۔ ان مقدس ہستیوں کو قتل یا گرفتار کرنے والے کے لیے سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کردیا گیا تھا۔ (2) اس خطیر انعام کی حرص میں درجنوں لوگ اس مہم پر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ایک موقع پر کھوج لگانے والے کچھ لوگ غارِ ثَور کے دہانے تک آگئے، تب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے چینی ناقابلِ بیان تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا خوف انہیں لرزائے دے رہا تھا۔ وہ سرگوشی میں بولے: ''یارسول اللہ! اگر یہ لوگ اپنے پیروں کی طرف جھانک کر دیکھ لیں تو ہم نظر آجائیں گے۔'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پورے اطمینان سے بولے: ''اے ابوبکر! گھبراؤ نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' (3)

قریش اتنے قریب پہنچ کر بھی ناکام واپس لوٹ گئے۔

غارِ ثور سے دارِ ہجرت کی سمت:

تین راتوں کی روپوشی کے بعد رات کے آخری پہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے نکلے۔ (4) دونوں اونٹنیاں سواری کے لیے تیار تھیں۔ رہبر عبداللہ بن اُرَیقِط بھی آگیا تھا اور عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ بھی۔ اب چار افراد کا یہ قافلہ ایک پیچیدہ راستے سے جو معروف شاہراہ کی بہ نسبت ساحل سے قریب تھا، پیر یکم ربیع الاوّل (۱۳ ستمبر ۶۲۲ء) کو اپنی منزل کی سمت روانہ ہوا۔ رات اور اگلے دن دوپہر تک سفر تیزی سے جاری رہا۔ گرمی کی شدت تھی۔ دور دور تک آدم تھا نہ آدم زاد۔ گرمی اور تھکن کی وجہ سے ظہر کے وقت یہ حضرات سایہ تلاش کرنے لگے۔ آخر ایک اونچی چٹان نظر آئی جس کا کچھ سایہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے زمین کو ہموار کرکے اس پر اپنی چادر بچھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپ آرام فرمائیے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گشت کرنے لگے تاکہ کوئی تعاقب میں آرہا ہو تو دیکھ لیں۔ کچھ دیر بعد ایک کم سن چرواہا اپنے ریوڑ سمیت سایہ تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

(1) ان صحیح روایات میں عامر بن فُہیرہ کا کردار بہت اہم معلوم ہوتا ہے۔ عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کا پیچھے بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ نکلنا دودھ کے انتظام کے علاوہ اس لیے بھی تھا تاکہ قدموں کے نشانات مٹ جائیں؛ کیوں کہ مکّہ والے نشانات دیکھ کر کھوج لگا سکتے تھے۔ (سیرة ابن هشام: ۴۸۶/۱)

(2) صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؛ صحیح ابن حبان، ح: ۶۲۷۷

(3) سورة التوبة، آیت: ۴۰ ؛ صحیح البخاری، ح: ۳۶۵۳، کتاب المناقب، باب مناقب المهاجرین ؛ صحیح ابن حبان، ح: ۶۲۷۸

(4) شہر سے غارِ ثور تک جانا دوپہر کو ہوا تھا۔ (صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، ۳۹۰۷) اور غار سے اصل سفر رات کو شروع کیا گیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''اسرينا ليلتنا و من الغد.'' (ح: ۳۶۱۵) اور ''فخرجنا ليلاً فاحثثنا ليلتنا و يومنا.'' (ح: ۳۹۷۱) سے ثابت ہے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''صبح ثلاث.'' (صحیح البخاری، ح: ۲۲۶۴) سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سفر رات کے آخری پہر میں شروع ہوا تھا جسے تیسری شب کی صبح سے تعبیر کیا گیا۔ اس لحاظ سے غارِ ثور میں قیام مکمل تین دن (۷۲ گھنٹے) نہیں رہا بلکہ اس کا دورانیہ لگ بھگ ۶۰ گھنٹے تھا۔ یعنی جمعہ کی دوپہر کو گھر سے نکلے، اندازاً تین گھنٹے میں یعنی سہ پہر کو یہ حضرات غارِ ثور میں پہنچ گئے ہوں گے۔ جمعہ کی سہ پہر سے لے کر اتوار اور پیر کی درمیانی شب کے آخری پہر تک وہاں قیام رہا۔ اس طرح روپوشی کی مدت پورے تین دن اور تین راتیں نہیں بلکہ دو دن اور تین راتیں ہیں۔ بخاری کی روایت (ح: ۳۰۹۵) میں بھی ''ثلاث ليال.'' کا لفظ ہے جس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے۔

نے اس سے پوچھا: ''تم کس کے چرواہے ہو؟'' اس نے ایک قریشی شخص کا نام لیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تمہارے پاس دودھ والی بکریاں ہیں؟'' اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا: ''ہمیں دودھ نکال دو گے؟''
چرواہا حامی بھر کر ایک بکری کا دودھ نکالنے بیٹھ گیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کرواور اپنے ہاتھ بھی۔ اس نے تھنوں کو صاف کیا، پھر اپنے ہاتھ جھاڑے اور دودھ نکال کر پیش کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو جگانا نہیں چاہتے تھے مگر جب دودھ لے کر پلٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس موجود منہ بند چھاگل سے صاف پانی نکال کر دودھ میں ملایا اور یہ ٹھنڈا مشروب پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''یارسول اللہ! یہ نوش فرمالیجئے!'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرما چکے تو خادم بارگاہِ رسالت نے کہا: ''یارسول اللہ! کیا روانگی کا وقت نہیں ہو گیا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''ہاں بالکل!''[1]

اب سورج ڈھل چکا تھا، چنانچہ آگے سفر شروع ہوا۔ ویران راستہ ختم ہو گیا اور کہیں کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شناسا قبائلی ملنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف نہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیکھنے میں عمر رسیدہ لگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سیاہ ریش اور جوان۔ لوگ پوچھتے: ''ابوبکر! یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟'' وہ فرماتے:

''هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ.'' (یہ صاحب ہمارے راہ نما ہیں۔)

لوگ سمجھتے کہ یہ راستے کے راہبر ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد تھی کہ یہ راہِ ہدایت دکھانے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے اطمینان سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چوکنا انداز میں مسلسل ہر طرف نگاہ رکھے ہوئے تھے کیوں کہ تعاقب کا خطرہ موجود تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ واقعی خطرہ سر پر تھا۔ بنومُدلج کے ایک گھڑ سوار سُراقہ بن مالک نے قریش کی طرف سے سو اونٹ کے انعام کا شہرہ سنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش شروع کر دی۔ آخر صحرا میں قافلۂ نبوت نظر آ گیا۔ سراقہ نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے فاصلہ طے کیا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی آواز سنائی دینے لگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک گھڑ سوار کو یوں تیزی سے آتے دیکھا تو کہا:

---

(1) صحیح البخاری، ح: ۳۶۱۵، باب علامات النبوۃ ؛ ح: ۳۶۵۲، باب مناقب المهاجرين ، ح: ۳۹۱۷، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب (2) صحیح البخاری، ح: ۳۹۱۱، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب

فوائدِ نافعہ (1): بخاری کے یہ مناظر بتاتے ہیں کہ ہجرت سردی میں نہیں، گرمی میں ہوئی تھی، ورنہ سردی میں تو دھوپ مرغوب ہوتی ہے اور ٹھنڈا مشروب ناگوار۔

(2) یہ مقام جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکلنے کے بعد پہلی بار استراحت فرما ہوئے'' قُدَیْد ''تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۲۳۲) جو مکہ معظمہ سے ۱۰۰ میل دور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا کہ پہلے دس گھنٹوں میں سفر کی رفتار بہت تیز رہی اور اوسطاً ہر ایک گھنٹے میں دس میل قطع کیے گئے۔

(3) ہجرت کا سفر جو طویل غیر معروف راستے سے ہوا تھا، ۴۴۶ کلومیٹر (۲۷۷ میل) یعنی ۱۷ منازل ہے، مگر اسے فقط سات دن میں طے کیا گیا تھا۔ یعنی سفر کی رفتار غیر معمولی رہی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''فَاحْتَثَثْنَا'' (صحیح البخاری، ح: ۳۹۱۷) بہت تیز رفتار سے سفر کرنے کی واضح دلیل ہیں۔ ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس میں اونٹنیوں کی وہ چار ماہی پرورش بہت کام آئی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خاص اہتمام سے کی تھی۔

(4) راویوں نے سفر کے پورے راستے کو محفوظ کیا ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق سفر میں درج ذیل مقامات سے گزر ہوا:
قدید، خرّار، ثنية المرّة، لَقف، مَدلَجَةُ لَقف، مَدلَجَةُ مِجاج، مِرجَح مِجاج، بَطنُ مِرجَح، بَطن ذات كَشد، الحدائد، الاذاخر، بطن ريغ، ذو سَلَم، مَدلَجة، عُثانِيَة، بَطنُ القاحة، العَرج، الجَدوات، الغابر (عن يمينِ رَكوبة) بطن العقيق، جِثجَاثة، قُبا. (طبقات ابن سعد: ۱/۲۳۲، ۲۳۳)

"یہ گھڑ سوار ہم تک پہنچنے کو ہے!"، حضور ﷺ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

پھر دعا کی۔ "یا اللہ! اسے گرا دے۔" اسی وقت سُراقہ بن مالک کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سُراقہ بن مالک کو آپ ﷺ کے سچے ہونے اور عن قریب غالب آنے کا یقین ہو گیا، لہٰذا فوراً معافی مانگی اور امان نامہ طلب کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے حکم سے عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا۔

پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "تم اس راستے میں رہو۔ کسی کو ہم تک نہ آنے دینا۔" سُراقہ نے وعدہ کر لیا۔[1]

سُراقہ بن مالک کو خوش خبری:

حضور ﷺ نے عین اس حالت میں جبکہ دینِ اسلام اپنی تاریخ کے نازک ترین گھڑی سے گزر رہا تھا اور خود اسدین کے بانی کی زندگی شدید خطرات میں گھری تھی، سُراقہ بن مالک کو ایک ایسی خوشخبری دی جو اسلام کی حقانیت کی دلیل اور اس کے ماننے والوں کے روشن ترین مستقبل کی نوید تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"سُراقہ! تمہاری کیا کیفیت ہو گی جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔"

واپس جاتے ہوئے سُراقہ بن مالک کو شدید حیرت بھی تھی اور حضور ﷺ کے کمالات کا اعتراف بھی۔ کون سوچ سکتا تھا کہ صرف پندرہ برس بعد نبی ﷺ کے دوسرے خلیفہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں کسریٰ کا خزانہ مسلمانوں کے قدموں میں اور نوشیروان کے کنگن سُراقہ کے ہاتھوں میں ہوں گے۔[2]

سُراقہ بن مالک نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس سمت آنے والے ہر مشرک کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں اس سمت کا جائزہ لے چکا ہوں۔[3] بعد میں سُراقہ نے اسلام قبول کر لیا اور صحابہ کی صف میں شامل ہوئے رضی اللہ عنہ۔

آخر یہ مبارک قافلہ منزل کے قریب پہنچ کر معروف شاہراہ پر آ گیا۔ یہاں سب سے پہلے ان کی ملاقات شام سے مدینہ لوٹنے والے مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے سے ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مقدس ہستیوں کے کپڑے سفر سے گرد آلود ہو چکے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں نئے سفید کپڑے پیش کیے۔[4]

---

① صحیح البخاری، ح، ۳۶۵۲، باب مناقب المهاجرين، ح: ۳۶۱۵؛ باب علامات النبوة، ح: ۳۹۰۶، ۳۹۱۷؛ باب هجرة النبي ﷺ، كتاب المناقب؛ صحيح مسلم، ح: ۷۷۰۶، الزهد والرقائق، باب في حديث الهجرة، ط دار الجيل

نوٹ: عجیب بات ہے کہ بے سروسامانی میں کیے جانے والے اس سفر میں بھی پیغمبر اسلام ﷺ نے لکھنے پڑھنے کا سامان ساتھ رکھا تھا، حالانکہ اس کا بہت کم امکان تھا کہ سفر میں ان چیزوں کی ضرورت پڑے۔ اسلام میں فنِ کتابت کی اہمیت اس سے اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔

② دلائل النبوة للبیہقی: ۳۲۵/۶ ③ صحیح مسلم، ح: ۷۷۰۲، الزهد والرقائق، باب في حديث الهجرة، ط دار الجيل

④ صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۵، کتاب المناقب، باب هجرة النبي ﷺ

⑤ ہجرت کے سفر کی یہ روداد صحیح روایات کی روشنی میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس لیے پیش کر دی گئی ہے کہ اوّل تو اسلام کی تاریخ میں اس واقعے کی بڑی اہمیت ہے اور اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اختصار پسندی کے باوجود صحیح بخاری میں یہ واقعہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ دوسرے اس واقعے سے متعلق سیرت کی عام کتب میں بہت سی ضعیف بلکہ بعض موضوع روایات بھی شامل کر لی گئی ہیں جب کہ صحیح روایات پر مشتمل بعض تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح روایات سے واقعہ ہجرت اپنی اصل اور مکمل شکل میں سامنے لایا جائے۔ سوائے چند ٹکڑوں کے تقریباً سارا واقعہ ہم نے صحیح روایات اور اکثر بخاری سے لیا ہے۔

قارئین پر یہ واضح ہو چکا ہوگا کہ اس تاریخ ساز سفر میں شروع سے آخر تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھرانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم دم وہم ساز دکھائی دیتا ہے۔ہجرت شروع بھی انہی کے گھر سے ہوئی۔ غار کے راز دار اور راستے کے خدمت گار بھی یہی حضرات رہے۔ آخری مرحلے پر بھی اسی گھرانے کو ہدایا پیش کرنے کی سعادت ملی۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین گہرے رشتے اور حد درجہ اعتماد کے تعلق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام آیتِ غار کی روشنی میں:

ہجرت کے اس یادگار اور تاریخ ساز سفر کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔حق تعالیٰ شانہٗ نے غارِ ثور کی تنہائیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ارشادِ باری ہے:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

''اگر تم اس (رسول) کی مدد نہیں کرو گے تو (رسول کا کچھ نقصان نہیں؛ کیوں کہ) اس کی اللہ نے اس وقت بھی مدد کی جب اس کو نکالا تھا کافروں نے، اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا، جب وہ دونوں تھے غار میں، جب کہہ رہا تھا وہ اپنے رفیق سے، تو غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں۔''[1]

امام رازیؒ کی نکتہ دانی:

امام رازی رحمہ اللہ نے ''تفسیر کبیر'' میں اس آیت کے ذیل میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کئی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے:

ا ہجرت کا سفر قریش کی تکالیف اور دشمنی سے بچنے کی خاطر کیا گیا تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان واخلاص میں ذرا بھی شک ہوتا تو انہیں اپنے ہمراہ ہرگز نہ لے جاتے، کیوں کہ ایسے میں خدشہ ہوتا کہ کہیں وہ دشمنوں کو اطلاع نہ کر دیں۔ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جانا ان پر مکمل اعتماد کا یقینی ثبوت اور اس حقیقت کی پختہ دلیل ہے کہ وہ سچے دل سے بارگاہِ رسالت کے وفادار تھے۔

ا ہجرت اللہ تعالیٰ کے امرِ خاص سے تھی۔ سینکڑوں صحابہ میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو بھی چھوڑ کر معیتِ نبوی کے لیے فقط حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ان کے تمام صحابہ سے افضل ہونے کا ثبوت ہے۔

ا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''ثانی اثنین'' کہا ہے اور تاریخی حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ اکثر مقامات اور مراتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی یعنی ''قریب ترین'' رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی دوسرے مرد تھے جو سب سے پہلے عقیدۂ توحید سے مالا مال ہوئے۔ وہی اسلام کے دوسرے داعی تھے جن کی مساعی سے

[1] سورة التوبة، آیت: ۴۰

حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عثمان غنی اور کئی اوّلین جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے پہنچے تو معیت میں صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس دوسرے فرد کو دیکھا وہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر غزوہ میں خدمتِ اقدس میں رہے اور ایک لمحہ بھی الگ نہ ہوئے۔

- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات میں نماز پڑھانے میں بھی وہی "ثانی اثنین" بنے۔
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سب سے قریب مدفون ہو کر اُس دنیا میں بھی "ثانی اثنین" قرار پائے۔
- جب غار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے غم زدہ ہوئے تو اس نازک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنَ اَللّٰہُ ثَالِثُھُمَا؟"

(ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟)

یہ الفاظ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہمیشہ ہمیشہ معیتِ نبویہ اور معیتِ الٰہیہ کا تمغہ ہیں جس سے بڑا کوئی اور اعزاز نہیں ہو سکتا۔

- مفسرین کا اتفاق ہے کہ "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ" سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے "لِصَاحِبِہٖ" کہہ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی قرار دیا ہے لہٰذا علماء کا کہنا ہے کہ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صحابی نہ مانے وہ اس آیت کا منکر ہونے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔[1]

☆☆☆

[1] تفسیر مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، فخر الدین الرازی: ۱۶/۵۰ تا ۵۴، ط دار احیاء التراث العربی

پہلی اسلامی ریاست

شہر کے لوگوں کو حضور ﷺ کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ (غالباً انہیں یہ بھی علم تھا کہ آپ ﷺ رات سے صبح تک سفر اور دوپہر کو آرام کرتے ہوئے آرہے ہیں۔) اس لیے وہ روزانہ فجر ادا کرتے ہی آپ ﷺ کے انتظار میں شہر کے باہر آتے اور دور دور تک نظریں دوڑاتے۔ جب گرمی زیادہ ہو جاتی تو واپس لوٹ جاتے۔ ①

قُبا میں تشریف آوری:

آخر ایک دن جب کہ سورج خاصا بلند ہو چکا تھا، نبی اکرم ﷺ یثرب کی نواحی بستی ''قبا'' کے قریب پہنچ گئے۔ مدینہ کے لوگ اس وقت حسبِ معمول انتظار کے بعد گھروں کو واپس جا رہے تھے کہ اس دوران مدینہ کے ایک یہودی نے جو اپنے قلعے پر چڑھ کر صحرا کا نظارہ کر رہا تھا، دیکھا کہ بہت دور حضور اکرم ﷺ اور ان کے ساتھی سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آرہے ہیں، تپتی ریت پر سراب میں ان کا عکس جھلک رہا ہے۔ یہودی بے ساختہ پکارنے لگا:

''اہلِ عرب! تمہاری خوش بختی آگئی جس کے تم منتظر تھے۔''

یہ سنتے ہی انصار نے عربوں کی استقبالیہ رسم کے مطابق ہتھیار سنبھالے اور دیوانہ وار آپ ﷺ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ حضور اکرم ﷺ استقبالیہ جلوس کے درمیان چلتے رہے یہاں تک کہ قُبا میں بنوعمرو بن عوف کی بستی تک پہنچ کر (جہاں اکثر مہاجرین قیام کرتے تھے) کھلے میدان میں رُک گئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر (آپ ﷺ کو زحمت سے بچانے کے لیے) خود کھڑے ہو کر لوگوں سے ملنے لگے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے نہیں دیکھا تھا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آ آ کر سلام کرنے لگے۔ اس دوران سورج عین سر پر آگیا اور گرمی ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر اٹھائی اور رسول اللہ ﷺ پر سایہ کر دیا۔ اب سب لوگوں کو پتا چل گیا کہ مخدوم کون ہے اور خادم کون۔ ② یہ واقعہ پیر ۸ ربیع الاوّل (۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) کا ہے۔ ③

---

① صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۶، باب هجرة النبی ﷺ؛ سیرت ابن هشام: ۴۹۲/۱ ② صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۶

فائدہ: اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی انتہائی تواضع اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حددرجہ ادب کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے تاریخی موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنی حیثیت نمایاں کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب کسے کہتے ہیں۔ ادب ہاتھ چومنا اور جوتے اٹھانا نہیں بلکہ اصل ادب یہ ہے کہ مخدوم کو راحت پہنچائی جائے اور زحمت سے بچایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ ایک طویل اور تیز رفتار سفر سے تھکے ہوئے تھے، آپ ﷺ کو فوری آرام کی ضرورت تھی۔ ایسے میں راحت رسانی اسی میں تھی کہ مجمع سے فرداً فرداً رسمی سلام اور مصافحے کا کام خادم انجام دے دیں۔ اس میں نعوذ باللہ اپنی بڑائی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا؛ کیوں کہ وہی ابوبکر رضی اللہ عنہ چند منٹ بعد اسی مجلس میں اپنی چادر اٹھا کر حضور ﷺ پر سایہ کر رہے تھے۔ یہی اصل خدمت اور یہی اصل ادب ہے۔

③ صحیح بخاری میں ہے: ذالک یوم الاثنین من شهر ربیع الاوّل. (صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۶، باب هجرة النبی ﷺ) ابن سعد نے قبا میں آمد کی تاریخ کے متعلق دو اقوال نقل کیے ہیں: پیر ۲ ربیع الاوّل، پیر ۱۲ ربیع الاوّل۔ (طبقات ابن سعد: ۲۳۳/۱) مگر نامور فلکیات دان اور مؤرخ علامہ ابن قطفہ نے ۸ ربیع الاوّل کی تاریخ کو اختیار کیا ہے۔ (وسیلۃ الاسلام، ص ۴۶) وجہ یہ ہے کہ تقویمی حسابات میں دیگر تاریخیں پیر کے ساتھ منطبق نہیں ہوتیں۔ تقویمی اعتبار سے اس سال ربیع الاوّل کی یکم کو اور پھر ۸ کو پیر تھا جبکہ ۱۲ ربیع الاوّل کو جمعہ تھا۔ راقم نے اس بارے میں ممکنہ شواہد اور تقاویم کو سامنے رکھا ہے جس کے بعد یہی راجح لگتا ہے کہ قُبا میں آمد ۸ ربیع الاوّل کو اور مدینہ میں تشریف آوری ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی۔ علی محمد خان کی ''تقویم عہدِ نبوی'' بھی یہی کہتی ہے۔

مسجد قُبا کی تاسیس:

آپ قُبا میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے، وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو آج بھی ''مسجدِ قُبا'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہیں آپ نمازیں ادا فرماتے رہے۔[1] یہ دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی تعمیر کردہ پہلی مسجد تھی۔

آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی رکھوائی ہوئی امانتیں واپس کرنے کی ذمہ داری سونپ کر آئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن میں یہ کام انجام دے کر روانہ ہوئے اور یہیں قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آملے۔[2]

مدینہ منورہ میں والہانہ استقبال:

قبا میں چار دن قیام کر کے جمعہ ۱۲ ربیع الاوّل (۲۴ ستمبر) کو آپ مدینہ کی سمت روانہ ہوئے۔ راستے میں جمعہ کی نماز بنی سالم بن عوف کے محلے کی مسجد میں ادا فرمائی۔ یہ اس سرزمین میں آپ ﷺ کی پہلی نمازِ جمعہ تھی۔[3]

اسی شام آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگ راستوں، گلیوں اور مکانات کی چھتوں پر آپ ﷺ کا دیدار کرنے کے لیے جمع تھے۔ ہر طرف نعرے لگ رہے تھے:

''اَللّٰهُ اَكْبَر، جَآءَ مُحَمَّد، اَللّٰهُ اَكْبَر، جَآءَ رَسُولُ اللّٰه''[4]

معصوم بچیاں مسرت سے سرشار ہو کر یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

''قافلوں کو رخصت کرنے والی گھاٹی کی اوٹ سے چودھویں کا چاند نکلا۔''

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِي

''ہم پر شکر ادا کرنا لازم رہے گا جب تک اللہ کو پکارنے والا کوئی فرد باقی رہے۔''

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا — جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

''اے وہ رسول! جو ہماری طرف بھیجے گئے آپ ایسا دین لائے ہیں جس کی ہر حال میں پیروی کی جائے گی۔''[5]

مدینہ آمد کے باوجود حضور ﷺ نے اپنا قیام چودہ دن تک قُبا میں بنوعمرو بن عوف کے رئیس کلثوم بن ہدم کے ہاں رکھا۔ پیر ۲۲ ربیع الاوّل کو آپ ﷺ بنونجّار کے مسلح افراد کے بہت بڑے جلوس میں مدینہ کی قدیم آبادی میں قیام کے لیے تشریف لائے۔[6] اس دن شہر کے بچے بچیاں یہ کہتے ہوئے دوڑ رہے تھے: ''یہ دیکھو رسول اللہ ﷺ آگئے۔''[7] کچھ یوں پکار رہے تھے: ''اللہ کے نبی آگئے۔ اللہ کے نبی آگئے۔''[8]

---

① صحیح البخاری، ح: ۳۹۰۶، باب هجرة النبی ﷺ ② سیرت ابن هشام: ۱/۴۹۳
③ سیرت ابن ہشام: ۱/۴۹۴ ④ مسنداحمد، ح: ۳، ط الرسالة ؛ مسندالبزار، ح: ۵۰
⑤ سیرت ابن حبان: ۱/۱۳۹، ۱۴۰ ؛ السیرة الحلبیة: ۲/۷۴، ط العلمیة ؛ دلائل النبوة للبیهقی: ۲/۲۰۷، ط العلمیة
⑥ صحیح البخاری، ح: ۳۹۳۲، کتاب المناقب، باب مقدم النبی ﷺ المدینة ؛ سیرة ابن هشام: ۱/۴۷۸
⑦ صحیح البخاری، ح: ۴۹۴۱، کتاب التفسیر، باب لترکبن طبقا عن طبق ⑧ صحیح البخاری، ح: ۳۹۱۱، باب هجرة النبی ﷺ

بنونجّار کی بچیوں کا نغمہ:

گنجان گلیوں میں لوگوں کی جماعتیں آگے بڑھ بڑھ کر حضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھامے درخواست کرتیں کہ ہمارے ہاں قیام فرمائیے مگر آپ ﷺ فرماتے: ''اونٹنی کو جانے دو۔ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' جب حضور ﷺ اپنے والد کے ننھیال بنونجّار کی گلیوں میں پہنچے تو اونٹنی ایک جگہ از خود بیٹھ گئی۔ بنونجّار کی کم سن بچیاں خوشی سے گانے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ   یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

''ہم بنونجّار کی لڑکیاں ہیں۔ کیا ہی خوشی کا مقام ہے کہ محمد ﷺ ہمارے پڑوسی بنے ہیں۔''

ساتھ ہی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دومنزلہ مکان تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی درخواست پر ان کے گھر کی نچلی منزل میں قیام فرمایا۔[1] یہودیوں کے عالم عبداللہ بن سلام اس دن اپنے باغ سے کھجوریں اتار رہے تھے، وہ حاضرِ خدمت ہوئے، علاماتِ نبوت کو بخوبی پہچانا اور اسلام لے آئے۔[2]

یثرب مدینۃ النبی ﷺ بن گیا:

یہ شہراب رسول اللہ ﷺ کا شہر تھا۔ یہ آپ کا مسکن، آپ کے نام لیواؤں کا وطن اور دین اسلام کا پہلا مرکز تھا۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد ایسا لگتا تھا کہ اس شہر کی ہر چیز ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی ہے۔ ایک روشنی تھی جو ہر شے کے اندر اتر گئی تھی۔ اسے ہم حضورِ اکرم ﷺ کی محبت کے سوا کوئی اور نام نہیں دے سکتے۔ یہ تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ صدیوں قدیم ایک شہر کسی کی محبت میں یوں ڈھل جائے کہ اپنا نام تک مٹا دے اور شہر میں آباد قبائل اپنے سابقہ حسب ونسب کو فراموش کر کے اس ایک شخص سے نسبت کے حوالے سے پہچانے جانے لگیں۔ مگر یہاں یہی ہوا۔ لوگ اپنے وطن کے نام ''یثرب'' کو بھول گئے۔ یہ اب نبی کا شہر تھا۔ اسے ''مدینۃ النبی'' کہا جانے لگا۔ پہلے لوگ اَوس، خَزرج اور ان کی ذیلی شاخوں سے پہچانے جا رہے تھے۔ اب ہر تفریق ایک وحدت میں بدل گئی۔ حضور ﷺ نے انہیں ''انصار'' کا خوبصورت نام دیا جس میں دین کی مدد ونصرت کرنے کا حوالہ جھلکتا ہے۔ مکہ سے آئے ہوئے لوگوں کو آپ ﷺ نے 'مہاجرین' کا لقب دیا۔ اب شہر ''مدینۃ النبی'' تھا اور شہری مہاجرین و انصار۔ اب ہر چیز اسلام سے تعلق کا پتا دیتی تھی اور ہر رشتہ ناتا دین کے لیے قربانی اور جاں سپاری کی بنیاد پر قائم تھا۔

مسجدِ نبوی، اِسلام کا نیا مرکز:

یہاں تشریف لاتے ہی حضور ﷺ نے سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے زمین کے خالی قطعہ پر ایک مسجد تعمیر کرنے کی طرف توجہ دی۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں: سہل اور سہیل کی ملکیت تھی، انہوں نے مسجد کی

---

[1] صحیح البخاری، ح: ۳۹۱۱، باب هجرة النبی ﷺ؛ دلائل النبوة للبیهقی: ۲/۲۰۸، ۲۰۹، ط العلمیة

[2] صحیح البخاری، ح: ۳۹۱۱، باب هجرة النبی. اس روایت کے الفاظ: ''وهو فی النخل لاهله یخترف لهم.'' سے بعض حضرات کا یہ استدلال بے جا ہے کہ ہجرت موسم سرما میں ہوئی؛ کیوں کہ کھجوریں موسم سرما میں نہیں اتاری جاتیں۔ اس سے تو بالعکس مزید تاکید ہوتی ہے کہ وہ خزاں کا آغاز یعنی ماہِ ستمبر تھا۔

تعمیر کا سن کر زمین ہدیے میں دینا چاہی مگر آپ ﷺ نے اصرار کر کے انہیں قیمت دلوائی اور مسجد کی تعمیر شروع کرادی۔ مسجد کا قبلہ بیت المقدس کے رُخ پر تھا۔ اس کی دیواریں کچی اینٹوں سے، ستون کھجور کے تنوں سے اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی۔ لمبائی ۱۰۵ فٹ اور چوڑائی ۹۰ فٹ تھی۔ ①

حضور ﷺ نے مسجد کی تعمیر میں بذاتِ خود حصہ لیا۔ آپ اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور مسلمان یہ دیکھ کر مزید جوش وجذبے سے کام کرتے۔ آپ ﷺ ان کی ہمت اور دلچسپی دیکھ کر فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَۃ   فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

''اے اللہ! اصل اُجرت تو آخرت کی اُجرت ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔'' ②

مواخاۃ، اسلامی بھائی چارہ:

حضور ﷺ کے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری تھا جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آگئے تھے، چنانچہ آپ نے اس کے حل کے لیے ''مواخاۃ'' کا معاہدہ کرا کے ہر بے کس مہاجر کو کسی نہ کسی خوشحال انصار کا بھائی بنا دیا تاکہ اسے تکلیف اور پریشانی کے وقت یہاں رشتہ داروں کی کمی محسوس نہ ہو۔ انصار نے اس موقع پر بے مثال ایثار کا ثبوت دیا۔ اپنے مہاجر بھائیوں کو مکانات، باغات اور دولت میں سے نصف کی پیش کش کردی۔ مہاجرین نے جواب میں قناعت اور شکر گزاری کا مظاہرہ کیا اور بقدرِ ضرورت مدد لینے پر ہی اکتفا کیا۔ ③

اہل وعیال کی مکّہ سے مدینہ منتقلی اور ان کی رہائش کا انتظام:

حضورِ اقدس ﷺ سات ماہ تک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہائش پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے اپنے خادموں: زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہما کو خفیہ طور پر مکّہ بھیج کر پیچھے رہ جانے والے اہل وعیال: حضرت سَودَہ، حضرت اُمِ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کو مدینہ بلوالیا۔ حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آچکی تھیں۔ البتہ بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابوالعاص کے ہاں مکہ میں تھیں۔ ④

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں: حضرت اسماء، حضرت عائشہ صدیقہ اور بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کو بلوالیا۔ جب مسجد نبوی اور پھر اس کے ساتھ حضور ﷺ کی رہائش گاہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی اس رہائش گاہ میں حضرت سَودَہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے لئے الگ الگ حجرے تعمیر کیے گئے۔ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نہایت ہی سادگی سے عمل میں آئی اور وہ حضور ﷺ کے گھر اپنے حجرے میں منتقل ہوگئیں۔ یہ شوال سن ۱ہجری کا واقعہ ہے۔ ⑤

---

① سبل الهدیٰ والرشاد: ۳۳۸/۳ ② صحيح البخاری، ح: ۳۹۳۲، باب مقدم النبی ﷺ واصحابه الی المدينة

③ صحيح البخاری، ح: ۲۷۸۰، ۲۷۸۱، ۲۷۸۲، كتاب المناقب، باب اخاء النبی ﷺ ؛ سيرة ابن هشام: ۴۹۹/۱، ۵۰۴، ۵۰۵

④ البداية والنهاية: ۴۹۹/۴ ⑤ الكامل فی التاريخ: ۶/۲، دار الكتاب العربی

اصحاب صفہ، پہلا اسلامی مدرسہ:

قرآنِ مجید کا نزول مسلسل جاری تھا اور مدینہ کی نئی اسلامی ریاست کے ماحول کے مناسب آیات نازل ہوتی جارہی تھیں جن میں احکام کا تناسب مکی سورتوں سے بہت زیادہ تھا۔ مہاجرین میں سے بہت سے افراد ایسے نادار تھے کہ اب تک ان کے گھر بار اور معاش کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا تھا۔ ان کو مسجد نبوی کے جنوبی گوشے میں جو حضور ﷺ کے حجرے کے قریب تھا، ایک چبوترے پر جگہ دے دی گئی تھی جسے صفّہ کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہوئے، دن بھر وہیں رہتے، قرآن کریم کی آیات اور حضور ﷺ کے ارشادات سنتے اور انہیں یاد کرتے۔ رات کے وقت نبی اکرم ﷺ انہیں کھانے کے لیے ان دیگر صحابہ کے ساتھ بھیج دیا کرتے تھے جو اپنی معاش کا انتظام کر چکے تھے۔ صفہ کے بعض فقراء کو نبی اکرم ﷺ خود اپنے ساتھ گھر لے جایا کرتے تھے۔

ظہر، عصر اور عشاء میں چار رکعات کی فرضیت۔ اذان کی مشروعیت:

اب تک ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نمازیں دو، دو رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ مدینہ میں آنے کے کچھ دنوں بعد دو، دو کی جگہ چار چار رکعات فرض کردی گئیں۔ [1]

مسلمان اس وقت تک اوقاتِ صلوٰۃ کا اندازہ کر کے مسجدوں میں جمع ہوجاتے تھے۔ نماز کے لیے بلانے کا کوئی طریقہ مقرر نہیں تھا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے طریقے مثلاً باجے یا گھنٹیاں بجانے کو حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان کا طریقہ تلقین فرمایا اور حضور ﷺ نے اس طریقے کو جاری فرمادیا۔ پہلی اذان کا اعزاز حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو ملا اور وہ مسجد نبوی کے مستقل مؤذن مقرر ہوئے۔ [2]

اب صدیوں بعد اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر ایک پرامن ماحول میسر آیا تھا جہاں وہ آزادانہ طور پر اللہ کا نام بلند کرسکتے تھے، اس کی توحید کی دعوت دے سکتے تھے اور اس کے دین کو پھیلانے کی ممکنہ تدابیر کو آزما سکتے تھے۔ یہ وہ معاشرہ تھا جس کی صدیوں سے روحِ انسانی کو تلاش تھی چنانچہ یہودیوں کے عالم عبداللہ بن سلام جو حق کے متلاشی تھے، اسلام اور پیغمبر اسلام کی ان خوبیوں کو نظر انداز نہ کرسکے جن کا ذکر گزشتہ کتب میں بھی تھا۔ وہ اسلام لے آئے اور اس معاشرے کا ایک حصہ بن گئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو طویل زمانہ پہلے آتش پرستی سے توبہ کر کے ایران سے نکلے تھے اور حق کی تلاش میں کتنے ہی پادریوں اور راہبوں کی خدمت میں رہ چکے تھے، پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ دنیا کی نجات اس ہستی کی پیروی میں ہے۔ دل کی دھڑکنوں پر لبیک کہتے ہوئے وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ سچائی اور حق کی طلب گار روحوں کو مدینہ میں اپنی تشنگی دور کرنے کے لیے چشمہ شیریں مل گیا تھا۔ [3]

---

[1] مختصر سیرۃ الرسول، شیخ محمد بن عبدالوھاب، ص ۱۴۰، ۱۴۱، ط وزارۃ الشوون الاسلامیہ سعودی عرب

[2] سیرۃ ابن ھشام: ۱/۵۰۸، ۵۰۹...... عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا خواب دیکھا تھا۔ (فتح الباری: ۲/۸۰، ۸۱)

[3] اسد الغابۃ، تر: عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ